تاثرات

معارف کے ادارۂ تحریر سے!

مئی ۱۹۵۷ء کے "معارف" میں ہماری ایک کتاب "مسئلہ اجتہاد" کو ہدفِ تنقید ٹھہرایا گیا ہے۔ ہم اس توجہ فرمائی پر خوش ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ علماء کے ایک سنجیدہ حلقہ نے اس طرح کے علمی مسائل کو بھی درخورِ اعتناء سمجھا ہے۔ یہ کتاب چار پانچ سال ہوتے ہیں ہمارے ادارہ نے شائع کی تھی، اور معارف سے لے کر تھانہ بھون کی تمام شاخوں تک نے اس زمانے میں اس پر کچھ اس حزم و احتیاط سے تبصرہ کیا تھا کہ ان کے قارئین کو اس کے مشمولات کا ہلکا سا اندازہ بھی نہ ہو سکے۔ اور وہ یہ بالکل نہ جان پائیں کہ اس میں اصول فقہ کے اہم مسائل کا جدید نقطۂ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں ہمارے غور و فکر کی بنیادیں کیا ہونی چاہئیں اور ہمیں اپنے فقہی مسائل کو کیونکر حل کرنا چاہیئے۔ ان نیم دلانہ اور حد درجہ تشنہ تبصروں سے ہمیں مایوسی ہوئی۔ اس لئے نہیں کہ تصنیف و تالیف کے ان اجارہ داروں سے ہم مدح و ستائش کے متمنی تھے، یا اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ یہ حضرات "حلقہ مقدسین" سے باہر کے لوگوں کی فکری کاوشوں کو سراہنے کا بھی حوصلہ رکھتے ہیں۔ بلکہ مایوسی کی اصلی وجہ یہ تھی کہ اس کتاب میں ہم نے ایسی جسارت کا ارتکاب کیا تھا کہ جو پُر زور تردید کی متقاضی تھی۔ یعنی عام تقلیدی جکڑبندیوں سے الگ ہو کر ہم نے نفسِ مسئلہ کے جملہ پہلوؤں سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ اور اجتہاد کو نسبتہً آسان شکل میں پیش کیا تھا۔ لہذا فتوائے کفر کے تو قطعی سزاوار تھے۔ مگر جب یہ تمنا پوری نہ ہوئی اور اس کے خلاف کوئی ہنگامہ بھی نہ ہوا اور سوچی سمجھی پالیسی کے مطابق الذوقان، معارف اور صدق جدید نے نگاہ غلط انداز ڈال کر آگے بڑھ جانے کی روش اختیار کی۔ تو ہم سمجھے کہ گروہِ علماء میں پولے دے کے یہ خصوصیت تھی افسوس اور ہیہات! کہ وہ بھی جاتی رہی! کئی سال کے بعد اب معارف کے حلقہ میں اس کتاب کی خطرناکیوں کو محسوس کیا گیا ہے۔ الحمد للہ۔ اس التفات خاص کے لئے ہم بے حد ممنون ہیں۔ اس کا مناسب جواب انشاء اللہ لکھا جائے گا۔ ذرا مضمون کو مکمل ہوتے دیکھئے۔ اور پوری تفصیلات کو ایک متعین رُخ پر سامنے آنے دیجئے۔ تاکہ ہم معلوم تو کر سکیں کہ مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیونکہ اس قسط کا جہاں تک تعلق ہے ہم مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کچھ ناتمام سی ہے، اور اس میں پریشان خیالی، غصہ اور الجھاؤ زیادہ ہے۔ اور معقولیت و استواری، موضوع کی پابندی، یا منطقی ربط جو کسی تنقید کا لازمی جزو ہونا چاہیئے بڑی حد تک مفقود ہے۔ اس سے پہلے کہ جواب اور جواب الجواب کی یہ مہم شروع ہو اور ہم

اس تنقید کے طول وعرض کا جائزہ لیں، معارف کے ادارۂ تحریر کی خدمت میں چند گذارشات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

(۱) سب سے پہلے ملایانہ تصوف نے آپ لوگوں کے دل میں جو ایک قسم کا پندار تقدس پیدا کردیا ہے اس کو دماغ سے نکالیئے، اور ایک سیدھے سادے مسلمان کی طرح دوسروں کے بارہ میں بھی حسن ظن رکھئے۔ اور یہ سمجھئے کہ دارالمصنفین یا تھانہ بھون سے باہر بھی کچھ لوگ ایسے ہو سکتے ہیں کہ جو اسلامی مسائل پر دیانتداری اور اخلاص سے گفتگو کرسکیں۔ یہ اس بنا پر ہم کہہ رہے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ انداز تخاطب نہایت درجہ قابل اعتراض ہے کہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے رفقاء اپنی دینی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کرتے اور ان کے سامنے کوئی نصب العین بجز اس کے نہیں ہے کہ حکمرانوں کی خوشنودی کو مدنظر رکھیں۔ یا جدید طبقہ کے رجحانات وتصورات کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ اس انداز کے طعن وتشنیع کے جواب میں ہم بھی بہت کچھ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم ذاتی طور پر جانتے ہیں کہ مقدسین کا یہ طائفہ جب کراچی کے ساحل پر قدم دھرتا ہے، تو کن کن آرزوؤں وتمناؤں کے ساتھ یہ پاکستان کے چکر کاٹتا ہے۔ کہاں کہاں ٹہرتا ہے۔ کس کس کی خوشامد کرتا ہے۔ اور ہوس مال وجاہ ان کو کشاں کشاں کہاں کہاں لئے لئے پھرتی ہے۔ یہ ساری داستان ہمیں معلوم ہے۔ اس لئے تقدس واخلاص کی اس دھونس سے ہم مرعوب ہونے والے نہیں۔ بحث وتبادل خیال کی پہلی شرط یہ ہے کہ تنقید کے پہلو بہ پہلو دوسروں کی خوبیوں کا بھی کھل کر اعتراف کیا جائے، اور جائز حد تک ان کی خدمات کی تعریف کی جائے۔ اس سلسلہ میں دل میں ادنیٰ سا تعصب بھی تو حائل نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اپنے لئے ذراسی سُبکی بھی تو محسوس نہیں کرنا چاہیئے۔ اچھا خیال، اچھا شعر اور اچھی تصنیف پر کسی کا اجارہ نہیں! رہا ہماری نیت کا معاملہ تو ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی تینتیس چالیس اردو انگریزی کی مختلف النوع تصنیفات شاہد ہیں۔ کہ ہمارے سامنے احیاء اسلام کے سوا اور کوئی نصب العین نہیں ہے۔ ہم جو کچھ چاہتے ہیں وہ مختصراً صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ بتائیں کہ ہمارے اسلاف نے قانون، فقہ، علوم عقلیہ اور تہذیب وثقافت کے میدانوں میں کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ اور ان کی روشنی میں ہمیں کن کن سمتوں میں اپنے قدم بڑھانا چاہئیں۔ یہ مقاصد اگر قابل اعتراض ہیں اور بُرے ہیں، تو ہم مجرم ہیں اور سزا چاہتے ہیں۔ اور اگر یہ مقاصد قابل اعتراض نہیں ہیں اور اس لائق ہیں کہ ان کی تکمیل کے لئے جم کر کام کیا جائے۔ تو پھر آپ کو محض اپنے حلقہ کے تاثرات معاندانہ سے مجبور ہو کر ایسے سستے قسم کے اعتراضات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور بحث کے دائروں کو نفس مسئلہ کی تفصیلات تک ہی محدود رکھنا چاہیئے۔

(۲) یہ بھی ضروری ہے کہ بحث کی سطح کو اونچا رکھا جائے۔ ہمارے اس معاشرہ میں جس میں کہ ہم رہ رہے ہیں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور زندگی کا پرانا ڈھانچہ یکسر بدل گیا ہے۔ اور کچھ ایسے ایسے نئے نئے سوالات ابھر آئے ہیں کہ جن کی مثال فقہ وقانون کی پورانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس لئے ان سوالات پر غور کرتے وقت نئے انداز

کام نہیں دے گی، اور نہ اصول و فقہ کی درسیات سے بات بنے گی۔ یہ مباحث جن کو کہ جدید تقاضوں نے جنم دیا ہے، گہرائی فکر اور مخصوص ذہنی صلاحیت چاہتے ہیں۔ پھر اس اصول کو بھی ذہن میں رکھئے کہ ایک مسئلہ صرف فقہی قدر و قیمت ہی کا حامل نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے دوسرے گوشوں سے بھی ہوتاہے۔ اور ان تمام گوشوں کا زیربحث لانا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا یہ دیکھنا ہے کہ فقہی پیمانوں اور معیاروں کے اعتبار سے اس کی کیا اہمیت ہے؟

لیکن مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی کر رہے ہیں کہ بجائے کسی ایک مسئلہ کی پوری پوری تحقیق کے، ادھر ادھر کے حوالے جمع کر رہے ہیں، اور مقالہ کو خواہ مخواہ طول دے رہے ہیں۔ اس میں کیا علمی جھول ہیں، اور کن کن سفسطوں سے کام لیا گیا ہے ان کی نشان دہی ہم اپنے مضمون میں کرینگے۔

(۳) آخری اور نہایت ہی اہم بات جو ہندوستان کے ارباب علم کو ملحوظ رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان افکار و مسائل کے اعتبار سے بالکل ہی دو مختلف ملک ہیں اور دونوں کے نظریات حیات جدا جدا ہیں۔ ایک ملک اگر سیکلر ریاست کی ترجمانی کرتا ہے تو دوسرا اسلامی آئیڈیالوجی پر مبنی ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ پوری زندگی کو جدید اسلامی سانچوں میں ڈھالنا اس کا وہ مقصد ہے کہ جس کی بنا پر یہ معرض وجود میں آیا ہے۔ اور یہ مقصد اس وقت تک پورا ہونے والا نہیں جب تک کہ پوری فقہ اسلامی کا ہم وقت نظر سے جائزہ نہ لیں۔ اور یہ نہ دیکھیں کہ اس میں کون کون تبدیلیاں ممکن ہیں۔ اور کس حد تک اس کو موجودہ زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ قرار دیا جا سکتا ہے؛ برخلاف ہندوستان کے کہ اس میں ان مسائل کی حیثیت مسائل حیات کی نہیں ہے، بلکہ محض نظری مسائل کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہاں شاید ایک عرصے تک ان مسائل کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا جائے گا، اور پُرانی اگر تھوڑا کسی ہی کا دور دورہ رہے گا۔

اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم اگر پاکستان میں ایسی علمی فضا پیدا نہیں کرتے کہ جس میں لوگ آزادیٔ فکر سے اپنی مشکلات پر قابو پا سکیں، اور اپنی زندگی کا ایک نہج مقرر کر سکیں۔ اور اگر شادی بیاہ سے لے کر اقتصادی و سیاسی زندگی کی تفصیلات تک اسلامی اصولوں کی روشنی میں غور نہیں کرتے، اور اپنی مملکت کو ایک اسلامی مگر عصری اور ترقی پذیر مملکت بنانے میں اس کا ہاتھ نہیں بٹاتے تو ہم اپنے فرائض منصبی کو انجام دینے میں مجرمانہ کوتاہی کرتے ہیں۔ گویا پاکستان کو اگر ایک نمونہ کی اسلامی مملکت بننا ہے، اور ایسا طریق حیات اپنانا ہے جو اسلامی ہونے کے ساتھ ساتھ قابل قبول بھی ہو، تو اس کے لئے اہل علم کی ایک جماعت کو اپنی خدمات بہرحال وقف کر دینا ہونگی۔ اور نہایت دلجمعی سے لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر فقہ جدید کی تشکیل کے سلسلہ میں اپنی مساعی کو جاری رکھنا ہوگا۔ ہندوستان اور پاکستان میں یہی وہ خیالات و مسائل کا فرق ہے جس کو نظرانداز کر دینے سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ خدانخواستہ محض شوق تجدید سے متاثر ہو کر فقہ کے بارہ میں لب کشائی کرتا ہے اور نئی نئی باتیں کہتا ہے۔ حالانکہ

وہ انہیں مسائل پر گفتگو کرتا ہے جو اس کے اپنے ملک کے بنیادی مسائل ہیں! ور جن مسائل کا حل کرنا اسلامی معاشرہ کے احیاء کے نقطہ نظر سے نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ عائلی کمیشن کے ضمن میں جن اصلاحات کی سفارش کی گئی، ان کا تعلق ہمارے حقیقی مسائل سے ہے، ہماری عملی دشواریوں سے ہے، اور زندگی کے ایسے نقشہ سے ہے کہ اگر اس میں ردو بدل نہ کیا جائے تو عائلی زندگی میں جہالت کی وجہ سے جو بگاڑ پیدا ہو گیا ہے، کسی طرح بھی اس کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔

اس گذارش سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان مسائل سے متعلق ہم ہندوستان کے اربابِ علم کو اظہارِ خیال سے روک رہے ہیں یا ان کی مداخلت گوارا نہیں کرتے۔ ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ وہ اگر اس نازک فرق کو ذہن میں رکھیں گے تو ہمارے موقف کے سمجھنے میں انہیں کوئی غلط فہمی نہیں رہے گی۔ اور وہ ہمیں اس نوع کے بے بنیاد اور غیر ذمہ دارانہ طعنے نہیں دینگے کہ ہم مسلمانوں میں انتشار پھیلا رہے ہیں، یا مغربی تمدّن کی بیہودگیوں کے لئے وجوہ جواز تلاش کرنے میں مشغول ہیں۔ ہماری کتابیں، ہمارے مضامین اور زندگی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہم نے اس نوع کا کام عمر بھر کبھی نہیں کیا۔ ادارہ سے ہماری وابستگی یا انسلاک بھی محض اسی بنا پر ہے کہ جن مقاصد کی تکمیل کے لئے یہ قائم ہوا یا معرضِ وجود میں آیا ہے۔ وہ بعینہٖ وہی ہیں جو ہمارے اپنے مقاصد ہیں۔ جن کی تکمیل پر پاکستان کا فکری و عملی استحکام موقوف ہے۔ اس لئے حکومت اگر اس کی مدد نہ بھی کرتی، اور امداد کی شکل میں ایک متعین رقم اس کو نہ دیتی، تب بھی ہماری مساعی کا یہی رُخ ہوتا۔ یا کبھی کسی وجہ سے اس کی مالی امداد سے دستکش ہو جائے، تب بھی ہم اس نصب العین کے لئے برابر کام کرتے رہیں گے۔ کیونکہ ہم دیانتداری سے محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان بن جانے کے بعد ہماری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں اور ہماری سرگرمیوں کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اب اگر اس کو ایک مثالی اسلامی مملکت میں نہ بدلا گیا اور یہاں کے معاشرہ کی مذہبی و عملی اصلاح کے بارہ میں نہ سوچا گیا تو وہ تمام قربانیاں اور کوششیں رائیگاں جائیں گی جو اس کے لئے کی گئیں۔

مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی کو چاہئے کہ ان نکات پر غور فرمالیں۔ اس کے بعد جو کچھ بھی لکھیں گے، انشاء اللہ ہم اس کا خیر مقدم کریں گے۔

محمد حنیف ندوی